ڈاکٹر بتول زہرا
ایسوسی ایٹ پروفیسر
گورنمنٹ اسلامیہ کالج برائے خواتین، فیصل آباد

ماں بولی (پنجابی) کا قومی زبان (اردو) سے تعلق

Language is born in society and societies are established by humans. Language gave birth to civilization, laid foundation of ways of living , social milieu and morality, and besides illuminating, enriching and adorning this world through expression of thought, connected every individual with another. Moreover set up communities, tribes and relations. Urdu is our national language and Punjabi is the language of Punjab. It is known an "Mann Boli". According to researches, these two languages are very close to each other. In this article, light has been thrown on the origin of Punjab and Punjabi language, its effects on Urdu language and the common features of both languages. Theirlexicology, syntax and morphology are all alike. When two languages share so much, their relation with each other cannot be underestimated.

زبان کیا ہے؟ انسان نے کب بولنا شروع کیا ؟ دنیا کی سب سے پہلی زبان کون سی ہے؟ زبان کیسے وجود میں آئی اور کیسے ارتقاء پذیر ہوئی ؟ یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ زبان معاشرے میں سے پیدا ہوتی اور معاشرہ انسانوں کے ساتھ وجود میں آتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان نے تہذیبوں کو جنم دیا۔ سماجیات اور اخلاقیات کی بنیاد رکھی۔ تمدن کی بنیاد میں اہم کردار ادا کیا نیز اس دنیا میں ہر فرد کو دوسرے سے منسلک کر دیا۔ مزید یہ کہ برادری ، قبیلے، رشتے اور تعلقات استوار کیے اور ان کی مضبوطی کا باعث بھی بنی۔

زبانوں کے استعمال کے حوالے سے جب مطالعہ کرتے ہیں تو قریب قریب اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مروجہ زبانوں کے نام اس علاقے کی نسبت سے ہوتے ہیں جہاں وہ بولی جا رہی ہے۔ مثلاً انگلستان میں انگریزی ، اطالیہ میں اطالوی ،یونان میں یونانی ،عربستان میں عربی ، چین میں چینی ، فرانس میں فرانسیسی ، جرمنی میں جرمن ، ہندوستان میں ہندی ، فارس (ایران) میں فارسی ، وغیرہ وغیرہ

ہماری (وطنِ پاکستان کی) قومی زبان اگرچہ اردو ہے جس پر مندرجہ بالا اصول لاگو نہیں ہوتا لیکن یہاں صوبائی سطح پر جو زبانیں بھی بولی جاتی ہیں وہ ان صوبوں کے نام کی نسبت سے ہیں۔ جیسے سندھ میں سندھی ، بلوچستان میں بلوچی اور پنجاب میں پنجابی موضوع کی نسبت سے پنجابی زبان جسے پنجاب صوبے کے باعث پنجابی کا نام دیا گیا اس میں ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ پنجاب صوبے کا نام کیوں ، کب اور کیسے پڑا ؟ نیز یہاں کی زبان کیا موجودہ پنجاب کے علاقے تک ہی محدود رہی یا اس کے اثرات نزدیک کے علاقوں پر بھی پڑے۔

یہ سوالات جب ذہن میں ابھرے تو پہلا سوال یہ تھا کہ پنجاب صوبے یا علاقے کی حدود مختلف ادوار میں کہاں تک اور کیا کیا رہیں مزید یہ کہ اس علاقے کو کس کس زبان سے پکارا جاتا رہا؟

ایک اور سوال کہ پنجاب کیا ہے؟ جس کا جواب افضل توصیف نے بہت خوبصورت دیا:

'' پنجاب ایک دھرتی، سوہنی دھرتی، پنجاب ایک وسیب کا نام بھی تو ہے اس وسیب میں کیا کچھ نہیں۔ مکھن کا پیڑا، کہیں مرچ .....شہد کا چھتا، کہیں زہر کا پیالا .... پھولوں کی سیج، کہیں غیرت کی سولی، جب اتنا کچھ یکجا ہو جاتا ہے تو اور بہت کچھ بن جاتا ہے ایک تہذیب بہت لمبی اور گہری جڑوں والی۔ ایک دنیا نئی پرانی۔ ایک خمیر نرم خوبصورت تازہ پھولوں جیسا لیکن دوسری جانب تھوہر کا پتہ، کانٹے ہی کانٹے، گناہگاری کے احساس کے ساتھ بیمار بیچارا۔ دل پنجاب کا غمزوہ جیسے ہیر کی آہ۔ کہیں مست قلندر، کہیں رانجھے جیسا۔''[۱]

اسی کے ساتھ دوسرا سوال ذہن میں آیا کہ پنجاب کیسا ہے تو اس کا جواب بھی اسی تحریر میں اسی پیرائے میں ملا۔

'' کچھ لوگ پانچ دریاؤں کو ہی پنجاب سمجھتے ہیں۔ اونچے پہاڑ اور ان پر سے سیڑھی اترتی ہوئی ندیاں۔ آب دو آبے، پانچ پانی، صدیوں سے ہی اس دھرتی کے ساتھی ...ان کے نام سہیلیوں اور دوستوں کی طرح ہیں۔ ستلج، بیاس، چناب، جہلم، یہ نام کیا ہیں۔ ساز ہیں جو دل کے تاروں کو چھیڑتے اور چھن چھن چھنکتے ہیں۔ داستانوں کی ابتداء، داستانوں کی انتہا، رومان کی خوشبو، روہی کی امانت، کہاں سے شروع ہوتی اور کس مقام پر جا کر ختم ہوتی۔ بڑے بڑے شہر، چھوٹے چھوٹے گاؤں۔ بستے رستے، کماتے کھاتے، ان پانیوں کے صدقے خبر نہیں کب سے قدرت کے اس خوبصورت نقشے میں ندیاں پہاڑوں سے آتی دھرتی کو جینے کی لہر دیتی آگے سمندر کی طرف چلی جاتی ہیں۔''[۲]

مختصراً یہ کہ ۱۵۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ لکھی جانے والی ہندوؤں کی مقدس کتاب ''رگ وید منڈل viii سوکت ۲۴۔۔۔ii۔۱۲، ii۔۱۳، vii۔ ۴۸'' میں اس پورے علاقے کا نام ''سپت سندھو'' لکھا ہے۔[۳]

''سپت سندھو'' کے معنی دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں کی سرزمین لیے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں سات دریاؤں نام بھی آئے ہیں اور مزید معاون دریاؤں کے نام بھی لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

'' دریائے سندھو (Sindhu) سندھ، ستدری (Satudri) ستلج، سراسوتی (Sarasvati)، پورسنی (Pursuni) راوی، اسکنی (Asikni) چناب، وتستا (Vitasta) جہلم اور سوسوما (Sosoma) یعنی سوان'' تھے۔[۴]

لیکن ان دریاؤں کے مزید جن معاون دریاؤں کا ذکر تاریخ کے اوراق میں ہمیں ملتا ہے ان کے نام ہیں:

'' ویپاس (Vipas) بیاس۔ (دریشدوتی (Drasadvati) چٹانگ (Chitong)۔۔۔اور اپایا (Apaya)''[۵]

سپت سندھو اور پھر ایرانیوں کی یہاں آمد پر ہفت ہندو کافی عرصے تک اس علاقے کا نام چلتا رہا اور پھر '' رامائن

میں پنجاب کے لیے ''پنچ ند'' کے الفاظ استعمال ہوئے۔''[۶]

یہاں اکثر لوگ زبان کا خیال رکھے بغیر'' پنچ کو''پنج'' لکھ دیتے ہیں جو غلط ہے۔'' پنج'' فارسی، زبان کا لفظ ہے او رند ہندی زبان کا۔ لہٰذا یہاں ہندی کا ہی'' پنچ ''ہندی کے لفظ ند کے ساتھ آتا ہے۔ جس کا مطلب ہے پانچ دریا۔ اور یہی پنچ ند ایرانیوں کے ہاں ان کے اس خطے میں آنے کے بعد'' پنج آب'' بن گیا۔ جو ایک روایت کے مطابق ایرانیوں نے اپنے وطن کے پانچ دریاؤں جسے پنج آب کہتے تھے کی نسبت سے یہ نام دیا لیکن ہمارے ہاں یہ پنج آب پہلی بار'' پنجاب'' کے لفظ سے شاہ نعمت اللہ ولی کے اشعار میں ملتا ہے۔ یہ اشعار ان کی پیشین گوئیاں تھیں جو ۱۱۵۲ء کے لگ بھگ لکھی گئیں جس پیشین گوئی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہ یوں ہے:

''از قلب پنج آبے خارج شوند ناری　　قبضہ کنند مسلم، بر ملک غاصبانہ

پنجاب شہر لاہور، ہم دیرہ جات بنوں　　کشمیر ملک منصور گیرند غائبانہ'' [۷]

اسی صدی کے آخر (۱۱۹۳ء) میں شہاب الدین نے ہندوستان کے راجاؤں کو جو خطوط لکھے اُن میں پنجاب کا لفظ استعمال کیا گیا جیسے ایک خط میں وہ لکھتے ہیں:

''بشما صلح کنیم کر سر ہند، پنجاب و ملتان باما باشد'' [۸]

جغرافیائی تبدیلیوں کے لیے جب ہندوستان کی قدیم تاریخ کی طرف توجہ کی تو ثبوت میں درج ذیل الفاظ ملے۔

'' رگ وید میں کوئی اشارہ آریوں کے ابتدائی نقل وحرکت کی طرف نہیں ہے اور نہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان میں کیونکر داخل ہوئے۔ البتہ بعض تلمیحات سے یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا جغرافیائی حدود اربعہ اس علاقہ تک محدود تھا جو افغانستان سے لے کر وادی گنگا تک پھیلا ہوا تھا۔'' [۹]

جمنا تک کے علاقے کی بات کو اور رما شنکر تر پاٹھی نے مزید آگے گنگا تک پھیلا دیا۔ تاریخ کا سفر جاری ہے جو مزید آگے بڑھتا ہے اور تاریخ پنچ ند سے ہوتی ہوئی پنج آب کی حدود میں داخل ہوتی ہے تو اس کا جغرافیہ بھی تبدیل ہوجاتا ہے تاریخ اس کی حدود ان الفاظ میں بیان کرتی ہے۔

'' دریائے ستلج۔۔۔ اور۔۔۔ دریائے سندھ کا درمیانی علاقہ'' [۱۰]

پنج آب سے پنجاب کے اس سفر میں حدود کی کمی بیشی کا عمل جاری رہا۔ باؤنڈریز میں تبدیلی آئی۔ مغلوں کے دور میں جو حدود تھیں لالہ پنڈی داس کے مطابق ان کے پھیلاؤ یا رقبہ میں درج ذیل علاقوں کے نام ملتے ہیں:

'' شمال میں ہمالیہ کا کچھ حصہ اور کشمیر، مغرب میں اٹک، جنوب میں سندھ اور راجپوتانہ او رمشرق میں دریائے جمنا۔'' [۱۱]

وقت بدلتا رہا۔ اسی طرح حدیں بھی تبدیل ہوتی رہیں جس سے نقشے کی لکیروں میں بھی رد و بدل ہوتا رہا اور اس دور میں جب کہ سکھوں کی حکومت قائم تھی تو گنیش داس کے اس اشارے سے جن علاقوں کی نشاندہی کی گئی ان کے نام

درج ذیل ہیں :

'' پنجاب کا دائرہ پشاور ، ڈیرہ جات ، ہزارہ ، کشمیر ، تبت ،لداخ ، جموں ، کانگڑہ ، منڈی ، سکیت ، کلو ، بہاولپور ، اور کوہ سفیان تک پھیل گیا۔''[۱۲]

لیکن اکرام علی ملک اسے چند لفظوں میں رنجیت سنگھ کی سلطنت کو یوں بیان کرتے ہیں :

'' دریائے ستلج کے شمال اور مغربی کنارے سے درہ خیبر اور کشمیر سے رجھان تک''[۱۳]

'' انگریزوں کی عملداری میں پنجاب کی حدود میں مزید بڑھوتی ہوئی اور اس میں'' دہلی ، حصار و انبالہ کو بھی شامل کر دیا گیا۔''[۱۴]

۱۹۰۱ء میں پنجاب کے علاقے میں پھر کمی واقع ہوئی۔ اب کے بار نئی تنظیم کے دوران صوبہ سرحد کو الگ کر دیا گیا۔ اس کی تصدیق انسائیکلوپیڈیا بریٹا نیکا ان الفاظ میں کرتا ہے۔:

"North west Frontier province was Created in 1901."[۱۵]

اس کمی بیشی کے بعد پنجاب کے بارے میں تاریخ ہمیں ان الفاظ میں آ گاہ کرتی ہے:

The Punjab is a classic ground not meterly the celebrated country between the Indus and the jumna but also the province.[۱۶]

۱۹۱۲ء میں ایک اور تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اس تبدیلی میں انگریز سرکار نے اپنے زیرِ اثر علاقوں میں انتظامی امور کے لیے جغرافیائی تقسیم میں کمی کی اور کچھ نئے صوبے بنا دیئے جن میں پنجاب میں سے کچھ علاقہ الگ کر دیا گیا۔ لالہ پنڈی داس اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :

'' ۱۹۱۲ء میں ایک اور ٹکڑا الگ کر دیا گیا۔ جب سلطنت برطانیہ ہند کا دارالسلطنت دہلی میں منتقل کیا گیا او رشہر دہلی اور اس کے گرد ونواح کے علاقے کو الگ ایک صوبے کی شکل دی گئی۔''[۱۷]

آزادی کی تحریک نے زور پکڑا اور بالآخر ۱۹۴۷ء میں برطانیہ کو بھارت اور پاکستان دو الگ مملکتیں تسلیم کرنا پڑیں۔ نقشے پران دو نئی مملکتوں کے آجانے سے پنجاب کا صوبہ بھی دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ کچھ حصہ بھارت کے پاس رہا جسے مشرقی پنجاب کا نام دیا گیا اور باقی حصہ پاکستان کے حصے میں آیا جسے مغربی پنجاب کہا جانے لگا۔ تقسیم ہند سے پہلے صوبہ پنجاب ۵ قسمتوں انبالہ ، جالندھر ، لاہور ، ملتان اور راولپنڈی میں تقسیم تھا۔ تقسیم کے بعد انبالہ اور جالندھر تحصیل شکر گڑھ کے علاوہ نیز لاہور کی تحصیل چونیاں کا کچھ حصہ بھارت کے پاس رہ گیا اور باقی قسمتیں پاکستان کی قسمت میں آئیں۔

مشرقی پنجاب کو بھارت نے تین صوبوں ہما چل پردیش ، ہریانہ اور پنجاب کے نام سے الگ الگ کر دیا۔ جبکہ ۱۹۵۵ء میں مغربی پاکستان کو ون یونٹ یعنی ایک صوبہ کا نام دے دیا گیا یکم جولائی ۱۹۷۰ء میں جب یہ وحدت ختم ہوئی تو پنجاب میں ریاست بہاولپور کو بھی شامل کر دیا گیا۔

یہ حدود اربعہ ، جغرافیہ اور عہد بہ عہد کی جانے والی علاقائی تبدیلیوں کے بارے آگاہی دینے کا مقصد یہ ہے کہ پنجاب کی حدود جہاں جہاں تک رہیں وہاں تک پنجابی زبان کسی نہ کسی لہجے میں بولی جاتی ہے۔اور حدیں سکڑنے پر بھی پنجابی زبان کے اثرات وہاں قائم رہے۔ کہتے ہیں کہ ہر بارہ کوس کے بعد زبان کا لہجہ بدل جاتا ہے یوں ایک زبان کے بہت سے لہجے ہو سکتے ہیں اور ایسے ہی پنجابی زبان کے بھی بہت سے لہجے بتائے جاتے ہیں۔

پنجابی زبان کے بارے میں کہنے کو تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔لیکن ہمارے پاس دلائل کے لیے جو مواد ہے وہ آرین سے پہلے کے بارے بہت کم اور بے اعتبار سا ہے۔ ہاں البتہ موہن جودڑو اور ہڑپہ وغیرہ سے جو آثار ملے ہیں ان کی مدد سے بات کو اس عہد سے شروع کیا جا سکتا ان مقامات کے بارے دنیا کی قدیم تاریخ میں انڈس تہذیب (۱۵۰۰۔۲۵۰۰ق م) کے تحت ہمیں معلومات ملتی ہیں۔

خیر یہ نظریات کہ پنجابی زبان کا تعلق آریائی خاندان سے ہے یا دراوڑی اس کی اصل ہے یا سنسکرت اس کی بنیاد ہے اور یہ زبانیں کہاں سے آئیں ایک الگ بحث ہے لیکن چھٹی صدی قبل مسیح میں سنسکرت کو زوال آ گیا تو جو زبانیں مختلف علاقوں میں بولی جاتی تھیں انہیں پراکرت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہی پراکرتیں آنے والی کئی نئی زبانوں کا آغاز ثابت ہوئیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد ظفر خان نے کئی اقتباسات نقل کئے ہیں مثلاً پنڈت برج موہن کیفی کی تصنیف ''لطیف کیفیہ'' کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔

> ''مستشرقین لفظ پراکرت کے دو معنی کرتے ہیں اول : لوگوں کی اصل زبان۔ دوم : وہ زبان یا زبانیں جو پراکرتیں سے پیدا ہوئیں۔''

ڈاکرعبدالحق کی تحقیق کے مطابق :

> ''ہندوستان کی عام بول چال کی زبانیں صدیوں تک پراکرتیں کہلاتی رہیں۔ ویدوں کی تصنیف کے زمانہ میں عام بول چال کی زبانیں یہی پراکرتیں تھیں نہ سنسکرت ، ان پراکرتوں کو ابتدائی پراکرتیں کہنا چاہیے۔''

ڈاکٹر سہیل بخاری کا نظریہ ہے :

> ''آریوں کے آئے پیچھے جب پڑھے لکھوں نے آریائی بولی کو سنسکرت کا نام دیا تو ان سب دیسی بولیوں کو بھی جو ہندوستان میں بولی جا رہی تھیں پراکرت کہہ کر پکارنے لگے۔''

ڈاکٹر شیام سندر داس کے مطابق :

> ''ابتداء سے عوام کی بول چال کی زبان پراکرت تھی۔ اس زبان کے قدیم روپ کی بنیاد پر وید منتر تصنیف ہوئے۔ اس کا رواج براہمنوں اور سوتر گرنتھوں تک رہا۔ بعد میں یہ زبان منجھ کر سنسکرت روپ میں جلوہ نما ہوئی۔''[۱۸]

کشن پرشاد کول کی تحریر پنجابی زبان کی ابتداء کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے ایک نئی جہت سے بھی آشنا کراتی

ہے وہ لکھتے ہیں :

''چار پانچ ہزار برس بیتے کہ پراچین آریہ ورت کے آریوں کی بھاشا سنسکرت تھی۔ یہی زبان دیس میں بولی جاتی اور لکھی پڑھی جاتی۔ اس میں ہمارا ادب یا ساہتیہ بھی ترقی کرتا رہا۔ ہمارے وید، دھرم شاستر، کر کانڈ، ہمارا یوگ، فلسفہ اور دوسرے علم اور ہنر اسی میں لکھے گئے۔۔۔ سنسکرت جوں جوں اونچے زینے چڑھتی گئی۔ عام لوگوں سے اس کا ناتا ٹوٹتا گیا۔۔۔ بدھ مت کے پرچار کے جگ میں سنسکرت کی جگہ ان پر اکرتوں نے لے لی جو عام لوگوں میں بولی جاتی تھی یعنی پالی، مگدھی، اردمگدھی اور سورسینی، ایک ہزار برس تک ان پر اکرتوں کا دور دورہ رہا۔۔۔ آٹھویں صدی عیسوی سے یہ پراکرتیں علم و ادب کے خزانوں سے خالی ہوگئیں اور جنتا کی بگڑی ہوئی بولیاں رہ گئیں اور انہیں اُپ بھرنش کہا گیا۔ انہیں اُپ بھرنشوں سے موجودہ ہندوستان کی وہ تمام زبانیں نکلی ہیں جو آج بنگالی، مرہٹی، پنجابی گجراتی اور ہندی اردو یا ہندوستانی ناموں سے مشہور ہیں۔۔۔ اتر کھنڈ کے پچھمی حصہ میں بولیاں بولی جاتی تھیں وہ سب سورسینی اُپ بھرنش سے ہی نکلی تھیں یعنی ستلج یا پوربی پنجاب میں پنجابی کا رواج تھا۔''[۱۹]

پراکرتوں کے بارے ہمیں ہندوستان کی تہذیبی و تمدنی حوالے سے بھی کئی تحریریں ملتی ہیں اور وہ اسی حوالے سے ہیں کہ سنسکرت جب ایک مخصوص طبقے کی زبان ہو کر رہ گئی تو عوام الناس نے اسے رد کر دیا اور پھر علاقائی زبانیں جو عام سمجھ بوجھ کی تھیں وہ رائج ہوگئیں۔

آئینِ اکبری کا جب حوالہ دیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں پنجاب کی زبان کے لیے پنجابی کا نام مروج نہیں تھا۔ تو ممکن ہے یہ اس وقت ایک علاقائی لہجہ ہو۔ کیونکہ اس زمانے میں اس علاقے کی زبان کو ملتانی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ جیسے اس سے پہلے ایس ایم شاہد کے مطابق یہاں لاہوری زبان بولی جاتی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''امیر خسرو (جو ساتویں صدی ہجری کے آخری اور آٹھویں صدی کے شروع کے بزرگ ہیں) اپنی مثنوی 'نہ سپہر' میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی مندرجہ ذیل زبانوں کے نام دیئے ہیں۔ 'سندھی' لاہوری' کشمیری' بنگالی' گوڑی' تلنگی' معبری' دھورسمندری' اودھی اور دہلوی۔''[۲۰]

اس حالت میں کیا اب ہم کہہ دیں کہ اس فہرست میں چونکہ ملتانی زبان کا نام نہیں اس لئے ملتانی کا وجود ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایسا نہیں۔

پنجابی زبان کی سرحدیں جس مقام تک پہنچیں وہاں تک یہ زبان بھی پہنچی۔ بلکہ آج پوری دنیا میں یہ زبان پہنچ چکی ہے۔ اور اس کا کریڈٹ سکھوں کو جاتا ہے جنہوں نے اسے مذہبی زبان کے طور پر دنیا میں اسے روشناس کرایا لیکن ہمارے ہاں اس کی حدوں کے بارے مختلف نظریات ہیں۔ حمید اللہ ہاشمی لکھتے ہیں۔

''جدید تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ پنجابی زبان ایک وسیع وعریض خطے کی زبان ہے۔ اس زبان کا پھیلاؤ دہلی (بھارت) سے لے کر خیر پور (سندھ) تک اور پشاور ودرہ کاغان (صوبہ سرحد) سے لے کر جموں و

سری نگر (مقبوضہ کشمیر) تک وسیع ہے۔ لسانی اعتبار سے بھی پنجاب کی حدود کے آثار مغرب میں جلال آباد (افغانستان) تک ملتے ہیں۔ اسی طرح درشن سنگھ کے مضمون مشمولہ رسالہ پنجابی ساہت (جنوری ۱۹۶۱ء) کے مطابق پنجاب کی لسانی حدود روسی آذربائیجان کے دارالحکومت 'باکو' تک پہنچتی ہے۔'' [۲۱]

پنجابی زبان کی انہیں حدود اور علاقوں کے بارے ماہر لسانیات جارج گریئرسن کے چند الفاظ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ اس نے اپنے زمانے میں یہ حدود اور علاقے کہاں تک دیکھے۔ ڈاکٹر محمد یوسف بخاری نے نقل کیا ہے کہ :

"Punjabi is the tonge of about 123/4 millions of people and is spoken over the greater part of the eastern half of the province of the Punjab. In the northern corner of the state of Bikaner in Rajisthana and in the southern half of the state of Jammu, in the extreme north-east of the province, i.e. in most of the Simla Hill states and Kulu. The language is Pahari, further south in the districts lying on or near the right bank of the river Jamna viz. In the eastern half of the Umbala. In Karnal. In most of Hissar (and the neighboring portions of the state of Patala). In Rohtak. Delhi and Gurgoan the language is not Punjabi but in some from of western Hindi. With exceptions, we may say that the vernaculor of the whole of the eastern Punjab is Punjabi." [۲۲]

پنجابی زبان جو کبھی اتنے وسیع علاقے میں بولی جانے والی زبان کے طور پر پہچانی جاتی تھی۔ آج لگتا ہے اس کی حدیں سمٹ گئی ہیں۔ لیکن کیا ایسا ہے کہ ہم اس زبان کو بھی اسی حد میں پابند کردیں جہاں تک علاقائی حدیں ہیں۔ زبان کے اثرات خطے سے باہر دور دور تک جاتے ہیں اور پھر وہاں بھی اثرات قائم رہتے ہیں جو علاقے کسی نہ کسی عہد میں اس خطے کا حصہ تھے۔ چاہے اب وہ علیحدہ ہو گئے ہوں۔ اور ایسے ہی پنجابی زبان بھی ہے۔ اب کچھ بات قومی زبان اردو کے بارے میں:

نواب مرزا داغ نے کہا تھا۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

لیکن اس دھوم والی زبان کو انہوں نے اس قدر آسان بھی نہیں لیا تھا۔ ان کے نزدیک بلکہ یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ یہ زبان خاصی مشکل ہے۔ اور یہ آتے آتے ہی آتی ہے۔ اسی وجہ سے انہیں یہ بھی کہنا پڑا کہ۔

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

اسی مشکل اور ادق اردو زبان کے آغاز اور ارتقاء کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور بہت سے نظریات صفحہ قرطاس پر بکھر چکے ہیں۔ جیسے

عین الحق فرید کوٹی کا منڈا قبائل کے بعد دراوڑوں کی آمد سے اردو کے آغاز کا نظریہ۔ [۲۳]

رشید اختر ندوی اور محمد مجیب کا عین الحق فرید کوٹی کے نظریہ سے اتفاق۔ [۲۴]

ڈاکٹر وزیر آغا کا اس سے ملتا جلتا دراوڑی زبانوں کے الفاظ اور آوازوں کا ویدک کے حوالے سے نظریہ۔ [۲۵]

سید سلیمان ندوی کا سندھ میں اردو کے جنم لینے کا نظریہ۔ [۲۶]

سید حسام الدین راشدی کا سید سلیمان ندوی کی تقلید میں سندھ کی دھرتی کو اردو کی جنم بھومی قرار دینے کا نظریہ۔ [۲۷]

فارغ بخاری کا سرحد کے سنگلاخ ماحول سے اردو کا خمیر تیار ہونے کا نظریہ [۲۸]

نثار صفدر بلوٹی کا نقل کردہ اولیائے کرام کا مختلف علاقوں سے آنے والے' مختلف زبانیں بولنے والے مریدین سے گفتگو کے دوران الگ الگ زبانوں کے الفاظ استعمال کرنے کا نظریہ۔ [۲۹]

کچھ محققین کا سادھوؤں کی بولی ''سدھوکڑی'' کا ابتدائی اردو ہونے کا نظریہ [۳۰]

ان تمام اور دیگر ایسے ہی پیش کردہ نظریات کی تفصیل کے قطع نظر صرف ان نظریات کی بات کی جائے گی جو موضوع کی مناسبت سے ہمارے معاون ثابت ہو سکتے ہیں اور جن سے بات کو آگے بڑھانے میں آسانی ہو سکتی ہے۔ یعنی اردو اور پنجابی کے لسانی روابط کے سلسلے میں ہم ان نظریات سے مدد لے سکتے ہیں۔

ایک بات جو واضح ہے وہ یہ کہ ۱۹۲۸ء میں ''پنجاب میں اردو'' کی اشاعت کے بعد یہ ایک تحریک بن گئی کہ اردو زبان کو بحیثیت زبان سمجھا جائے۔ اس کے عیاں و نہاں پر تحقیق کی جائے اور اس کے حقائق کو سامنے لایا جائے۔ سو یوں بہت سے محققین و ماہرین اس میدان میں اترے۔ اگرچہ انیسویں صدی میں پیش کیے جانے والے نظریات نے لکھنے والوں کو اس طرف متوجہ کیا اور ابتدائی مواد کے طور پر خود کو پیش کیا۔ لیکن محققین اس وقت بے خبری کے عالم میں رہے جب تک ''دکن میں اردو'' منظر عام پر نہیں آئی۔ اور اس نظریے نے محققین کو کام کرنے پر اکسایا۔ نصیر الدین ہاشمی کی اس تصنیف کا ہی ردعمل تھا کہ حافظ محمود شیرانی نے ''پنجاب میں اردو'' پر تحقیق کا بیڑا اٹھایا۔

''پنجاب میں اردو'' اگرچہ بہت سے شکوک رفع کرنے میں مددگار ثابت ہوئی لیکن اس تصنیف نے دیگر علاقوں کے محققین حتیٰ کہ پنجاب کے محققین کو بھی ایک چیلنج میں مبتلا کر دیا۔ اس کتاب کو ہم پنجاب کے حوالے سے جھیل میں پھینکا جانے والا پہلا پتھر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس سے پہلے کئی کنکر جھیل میں گرائے جا چکے تھے۔ گو ان سے گرداب یا بھنور تو نہیں ابھرا لیکن چند لہریں ضرور ابھریں۔ سب سے پہلا کنکر ۱۹۰۳ء میں پنجابی انبالوی نے پھینکا۔ عطش درانی لکھتے ہیں۔

> ''اردو زبان کا آغاز پنجاب سے ہوا۔ اس نظریے کا آغاز جولائی ۱۹۰۳ء میں پنجاب کے ایک غیر معروف ادیب پنجابی انبالوی نے ایک مضمون لکھ کر کیا۔ انہوں نے اپنی بحث کا آغاز علی گڑھ گزٹ میں 'اردو زبان پنجاب میں' لکھ کر کیا۔ اگلے ہی ماہ اس کی تردید میں ایک مضمون 'اردوئے معلیٰ' میں شائع ہوا۔ اس کے

جواب میں پنجابی انبالوی نے ستمبر۱۹۰۳ء کے 'مخزن' میں ایک اور مضمون 'اردو زبان پنجاب میں' شائع کیا۔ اکتوبر۱۹۰۳ء میں مولوی ممتاز علی نے اس کی حمایت میں ایک مضمون 'اردو کے دشمن' رسالہ 'اردوئے معلیٰ' میں شائع کیا جو اس اس امر پر مبنی تھا کہ اردو زبان نے پنجاب میں جنم لیا۔ اس بحث میں علامہ اقبالؒ نے بھی بھرپور حصہ لیا''۔ [۳۱]

پنجاب میں اردو کی اس بحث کو ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' میں تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ چونکہ عطش درانی اور ڈاکٹر سلیم اختر نے ایک جیسی ہی تحریر نقل کی ہے لیکن کہیں کہیں لفظوں کا ادل بدل سامنے آ رہا ہے۔ میرے خیال میں ماخذ دونوں کا اکرم چغتائی کا مضمون ''پنجاب میں اردو'' (مزید تحقیق) ہے۔ لہٰذا ہم اصل مضمون سے تعلق جوڑتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ محمد اکرم چغتائی کے مطابق علامہ اقبالؒ اور بعد ازاں یہ بحث کس سمت جاتی ہے۔ گویا وہ لکھتے ہیں:

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے۔۔۔'اردو زبان پنجاب میں' کے عنوان کے تحت ایک مضمون لکھا جو مخزن (اکتوبر۱۹۰۳ء) میں شائع ہوا۔ انہوں نے اہل زبان حضرات کے بعض صرفی' نحوی اور عروضی اعتراضات کا مدلل جواب دیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال بعد انگریزی روزنامہ 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' (۱۵۔جنوری ۱۹۰۵ء) میں اس بحث کو چھیڑا گیا کہ کیا اردو پنجاب میں دیسی زبان ہے؟ اس کے جواب میں پنڈت برج موہن دتاتر یہ کیفی دہلوی نے ایک مضمون بہ عنوان 'اردو اور دیسی زبان' لکھا جو مخزن (فروری ۱۹۰۵ء) میں شائع ہوا۔ پنڈت کیفی لکھتے ہیں: 'قدیم الایام سے اردو کی پنجاب میں وہی حیثیت رہی ہے جو شمال مغربی ہند کے اور صوبوں میں'۔

۔۔۔انہیں مباحث کے دوران ایس۔ ایم۔ دین ناظر نے ایک مضمون بہ عنوان ' اردو پنجابی' لکھا۔ اس مضمون میں وہ لکھتے ہیں:

'اردو دراصل منجھی ہوئی پنجابی زبان ہے۔ اس کے افعال عموماً پنجابی ہیں مگر تھوڑی سی نفیس تبدیلی کے ساتھ استعمال میں لائے گئے ہیں۔'' [۳۲]

یہ بحث جاری رہی' اردو زبان کی بجائے پنجابی زبان کو رائج کرنے کا مطالبہ۔ مولوی نذیر مرزا کا بدایوں کی اردو کانفرنس میں صوبہ ممالک متحدہ آگرہ اودھ کو اردو کا منبع قرار دینا۔ بزم اردو لاہور کے جلسہ (۲۹ مئی ۱۹۱۰ء) میں وجاہت حسین جھنجھانوی کا اس کے خلاف اردو زبان کا منبع پنجاب کو ثابت کرنا۔ لیکن بعد ازاں دہلی کو مولد قرار دینا۔ بشیر الدین احمد دہلوی کا پنجاب کو اردو کا منبع قرار دینے کی مخالفت اور ۱۹۱۱ء میں مولوی سید احمد دہلوی کا بھی اسے رد کرنا۔۔۔ اس کے جواب میں ''شیرِ پنجاب'' کا تلخ لہجہ کہ :

''ہم دعوی کرتے ہیں کہ اردو یا ہندوستانی یا جو کچھ اس کا نام رکھو' پنجاب میں پیدا ہوئی اور پنجابی اس کے بانی تھے''۔ اردو کا مولد پنجاب ہے نہ کہ شاہ جہاں آباد'' [۳۳]

پھر جون ۱۹۱۹ء کے مخزن میں خان بہادر مرزا سلطان احمد کا مضمون '' زبان اردو'' جس میں انہوں نے لکھا:

''پنجابی اور اردو الفاظ یا پنجابی اور اردو زبان میں کہاں تک وابستگی ومشابہت ہے۔ ایسی وابستگی ومشابہت ہندوستان کی دوسری زبانوں کے ساتھ نہیں ہے مقابلہ کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اردو زبان' پنجابی زبان کی اصلاح یافتہ زبان ہے یا پنجابی زبان کا ایک دوسرا اصلاح یافتہ رخ۔'' ۳۴

یہ وہ فیصلہ اور نتائج تھے جنھوں نے حافظ محمود شیرانی کے نظریے کو پختہ کیا مزید یہ کہ ''پنجاب میں اردو'' کے سلسلے میں اس کی بھرپور مدد کی۔ اس کے علاوہ شیر علی سرخوش نے ''تذکرہ اعجاز سخن'' حصہ اول (جو ۱۹۲۴ء سے پہلے اشاعت پذیر ہوا) میں جہاں اردو اور پنجابی زبان کی مماثلت' اہل زبان کی پنجابی زبان سے ناواقفیت اور اردو نظم ریختہ میں زبان پنجابی کا عنصر پر بات کی وہاں پنجاب میں اردو کے بارے میں ان کی یہ تحریر

''اردو زبان کی اصلیت اور اس کی وجہ تصنیف عموماً یوں بیان کی گئی ہے کہ جب مسلمان ہندوستان میں آئے تو وہ عربی فارسی' ترکی زبانیں بولتے تھے۔ ادھر ہندوؤں کی عام زبان ہندی یا بھاکا تھی۔ اس لیے جب ان دونوں قوموں کا میل جول بڑھنے لگا تو شاہ جہاں آباد یعنی نئی دہلی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ زبان بنام ''اردو'' پیدا ہوئی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ زبان اردو نے قریب قریب اسی طرح جنم لیا مگر اس اصول موضوعہ کی عملی تشریح اور مفصل توضیح کرنے میں صوبہ پنجاب' جہاں سب سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں کا اتصال ہوا اور جہاں فاتح مسلمانوں نے دہلی یا ہندوستان کی طرف قدم بڑھانے سے قریباً دو سو برس پیشتر مستقل سکونت اختیار کی تھی۔ اس کی اہمیت اور اردو زبان سے اس کے ابتدائی تعلق کو بالکل نظرانداز کیا گیا ہے۔'' ۳۵

اردو کی ابتدا کے بارے نظریات پیش کرنے والوں میں اکثریت ایسے ماہرین کی ہے جو سلطان محمود غزنوی کے حملے سے اردو زبان کا تعلق جوڑتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کئی ماہرین آگے چل کر بھول جاتے ہیں کہ دہلی یا مشرقی خطوں سے پہلے وہ پنجاب میں اپنی فوجوں کے ہمراہ قیام پذیر رہا۔ کیفی چڑیا کوٹی اپنا خیال ان الفاظ میں رقم کرتے ہیں کہ :

''جب محمود نے پنجاب پر قبضہ کیا اور اس کے جانشینوں نے لاہور کو اپنا پایہ تخت بنایا تو معاشرتی اور مذہبی ضروریات کے سلسلے میں زبانیں بننے لگیں جن میں پنجابی اور ہندی ترکیبوں کے ساتھ فارسی اور عربی تصرفات پائے جاتے ہیں۔'' ۳۶

ڈاکٹر وحید قریشی مطالعے کے آدمی تھے قدیم ادب کے علاقائی مطالعے کے بعد وہ ایک نتیجے پر پہنچے کہ

''اردو زبان کے آغاز کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ ان تاریخی واقعات اور قرائن کی بنا پر یہ دعوی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی ابتداء پنجاب سے ہوئی۔ یا پھر اسی امکان کو زیادہ پھیلا کر دیکھا جائے تو وہ علاقہ اس کا مولد ٹھہرتا ہے جس میں جغرافیائی طور پر پنجاب' سرحد اور سندھ کے علاقے شامل ہیں۔ ان جملہ علاقوں نے اردو زبان کا ہیولا تیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ لیکن یہاں اردو ادب کے نمونے زیادہ تعداد میں میسر نہیں۔ موجودہ معلومات کی بنا پر اردو ادب کے بیشتر نمونے دکن سے تعلق رکھتے

ہیں۔ جن میں پنجابی زبان کے اثرات گہرے ہیں۔'' ۳۷

اسی وجہ سے مظفر حسن ملک اردو اور پنجابی کے فرق کو سکھوں کی حکومت قائم ہونے کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ وہ ''پراکرت'' کے تحت راجستھانی' گجراتی اور پنجابی کی مرکزی حیثیت مانتے ہیں اور ہندی' مرہٹی اور کشمیری کے جو اثرات اردو پر پڑے انہیں بھی وہ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وہ بہرحال۔۔۔اردو کی ابتدائی شکل پنجابی کو ہی کہتے ہیں۔ اپنے ایک مضمون میں وہ لکھتے ہیں:

'' پنجابی کی قدیم تصانیف جو پندرھویں اور سولہویں صدی میں تخلیق کی گئیں آج کی پنجابی اردو سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ شیخ فرید (۱۱۷۳۔۱۲۵۶ء)' گورونانک (۱۴۶۹ء۔ ۱۵۲۶ء)' فرید ثانی (و۔۱۵۵۴ء)' سلطان باہوؒ (۱۶۳۱ء۔ ۱۶۹۷ء)' مادھولال حسین (۱۵۳۹۔۱۵۹۴ء) کا کلام یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس عہد کی پنجابی آج کی اردو کی ابتدائی شکل تھی۔ اگر سترھویں اوراٹھارویں صدی پنجاب میں سکھ حکومت قائم نہ ہوتی اورلسانی ارتقاء معمول کے مطابق جاری رہتا جیسا کہ دکن' بہار' یوپی' دہلی اور اس کے قرب وجوار میں جاری رہا تو پنجابی زبان اور اردو زبان میں کوئی فرق نہ ہوتا۔'' ۳۸

یہ تو شکوک کی بنیاد پر بات کی جا رہی ہے کہ ''ہوتا یا نہ ہوتا'' لیکن سر چیٹر جی جو آج سے سو سال پہلے پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے نے تجویز پیش کی تھی کہ پنجاب میں اردو کی بجائے پنجابی کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔ جس پر جہاں زبردست مخالفت ہوئی وہاں پیسہ اخبار کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم اور کئی دوسرے مضمون نگاروں نے پنجابی اور اردو کو ایک ہی زبان قرار دیا۔ اس ضمن میں اگرچہ کئی دلائل سامنے آئے لیکن استدلال کسی اداریہ نویس کا جسے فتح محمد ملک نے پیش کیا ہے قابل توجہ ہے۔

''ایک پنجابی بچہ کسی قدر ہوش سنبھالتے ہی جو پہلے الفاظ منہ سے نکالتا ہے وہ خالص اردو ہوتے ہیں یہ ضرور ہے کہ تلفظ میں کہیں کہیں کسی قدر فرق ہوتا ہے۔ ایسا اختلاف جو بولنے اور تحریر میں ہو' دنیا کی تمام زبان میں پایا جاتا ہے۔ پنجابی بچہ جو پہلا لفظ ''اماں'' منہ سے نکالتا ہے وہ اردو ہے۔ جب اسے دودھ پینے کی خواہش ہوتی ہے تو یوں کہتا ہے۔ ''اماں! دودھ''۔ اگر وہ فعل کے اضافہ سے فقرہ پورا کرنا سیکھ گیا ہے تو کہے گا ''اماں! دوددے''۔ یہ تمام الفاظ جو بچہ ابتداء سے ماں کے دودھ کے ساتھ سیکھتا ہے اردو ہی ہیں۔ بچہ کسی قدر بڑا ہوا۔ تکلم نے بھی ترقی کی تو اب اس کے فقرات پر غور کریں وہ علی الصبح اٹھتا ہے تو اپنی پیاری ماں کو گہری نیند میں سویا ہوا پاتا ہے۔ ننھے ننھے ہاتھ اس کے گالوں پر رکھ کر کہتا ہے۔ ''اماں! اٹھو۔ دن چڑھیا (چڑھا) ہے''۔ جب روٹی کھانے لگتا ہے تو بھوک کے وقت ماں سے کہتا ہے۔ ''اماں! روٹی کھانی اے (ہے)۔'' اسی طرح اردو پنجابی کی یکسانیت کی بیسیوں اور سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔'' ۳۹

اگرچہ اس ضمن میں بہت سے مشاہیر' ماہرینِ لسانیات' علمائے زبان پنجابی و اردو اور محققین کی آراء موجود ہیں لیکن اس استدلال کے بعد مزید کچھ کہنا شاید مناسب نہ ہو۔ ہاں البتہ ڈاکٹر سلیم اختر نے حکیم ناطق لکھنوی کے چار اشعار جو نقل

کیے ہیں انہیں یہاں دہرانا مناسب بھی رہے گا اور موزوں بھی۔

بس کہ قصرِ ہند کا پہلا ہی در پنجاب تھا۔۔۔اس لیے اردو کا اول مستقر پنجاب تھا
نقطۂ مردم پئے اہلِ نظر پنجاب تھا۔۔۔۔۔۔دائرہ تھا دور تک مرکز مگر پنجاب تھا
جیسے خط رخ کا بڑھے ابرو کی جدول چھوڑ کر۔۔۔۔بڑھ چلا یوں نقش ثانی، نقش اول چھوڑ کر
تخم جو الفاظ کے بوئے گئے پنجاب میں۔۔ہر طرف بہتے پھرے وہ جنگ کے سیلاب میں۔[۴۰]

بھارت کے سابق وزیر اعظم اندر کمار گجرال اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''اردو نہ تو کوئی مذہبی زبان ہے اور نہ ہی اس کی پیدائش کسی فلسفیانہ چیلنج یا خلا کو پُر کرنے کے لیے ظہور میں آئی۔ اس کا Evolution تو ایک انوکھی قسم کی ضرورت پیدا کرنے کے لیے ہوا تھا۔ جب ایک دوسرے سے ناواقف دو زبانیں اور ان کی تہذیبیں مل رہی تھیں۔ ان کا ملاپ اور مل بیٹھنا ایک نئی Language of Communication کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اس شدید ضرورت کا اظہار تو ایک قد آور دانش وراور عظیم سکالر امیر خسرو نے ایک شعر میں یوں کیا تھا ع زبان یار من ترکی و من ترکی نہ می دانم۔۔۔۔ دکن کا اپنا اتہاس ہے۔ اسی لیے یہ مباحثہ چلتا رہا کہ اصل اردو دکن یا لکھنو میں بسنے والے صاحب ذوق حضرات کی ہے یا پھر وہ زبان جو میرے پنجابی بھاشی بولتے ہیں۔ ہر خطہ، ہر علاقہ، گو اپنی طرز ادا کو فوقیت دیتا رہا ہے لیکن اس Controvarsy میں بھی اس بنیادی کردار as a language of comunication ہمیشہ اہم رہا ہے''۔[۴۱]

جناب اندر کمار گجرال نے اردو کو رابطے کی زبان قرار دے کر کوئی عجیب بات نہیں کی کیونکہ بہت سے دیگر دانشوروں کی طرح اسی رنگ وروپ کی بات مہاتما گاندھی بھی کر چکے ہیں اور وہ ''مشترکہ زبان'' میں تسلیم کر چکے ہیں کہ ہندی زبان اس وجہ سے عمل میں آئی کہ ہندوؤں نے اردو میں ہندی/سنسکرت کے الفاظ کا استعمال زیادہ کر دیا اور رسم الخط بھی تبدیل کر دیا۔ جس کا ردعمل یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اس میں عربی اور فارسی کے الفاظ زیادہ شامل کر دیے۔

رابطے کی اس زبان کو جب ہم بھارت اور پاکستان بلکہ برصغیر پاک و ہند کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو اڑھائی سو کے لگ بھگ زبانوں اور آٹھ سو کے نزدیک لہجوں کے اس خطے میں کوئی ایسی زبان نہیں جو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہو۔ تو یوں واحد اردو وہ زبان ہے جو اپنے دونوں رسم الخط کے باوجود اور دونوں (ہندی، اردو) لہجوں میں تقریباً اس پورے خطے میں ہر جگہ کسی نہ کسی حد تک سمجھی اور بولی جاتی ہے اور جب اس کے پس منظر میں ہم پنجابی زبان کو دیکھتے ہیں تو ایک ہی رسم الخط (پنجابی، اردو) ہونے کی وجہ سے پنجابی زبان بھی سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔ یہ الگ بات کہ پنجابی کو زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا اور حتیٰ کہ خط و کتابت میں بھی اردو زبان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ گویا کہ پنجاب میں پنجابی زبان کی جگہ اردو استعمال کی جاتی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ اس قربت کے بارے پروفیسر حافظ محمود شیرانی نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ جس میں اردو اور پنجابی کی صرف ونحو کا بڑی حد تک ایک ہونا اتحاد

وقربت کی دلالت کے علاوہ مصدر کا قاعدہ' مذکر ومونث بنانے کا طریقہ ایک جیسا ہونا۔ اسمائے صفات کا الف پر ختم ہونا۔ افعال کا ایک جیسا ہونا۔ حروف تہجی میں فرق نہ ہوناوغیرہ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ دونوں زبانیں آپس میں بہت نزدیک ہیں۔

اردو اگرچہ دنیا کے کونے کونے میں بولی جاتی ہےلیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ اسے ہم نے صرف پاکستان تک محدود کر دیا ہے۔ پاکستان میں کئی علاقائی زبانیں اور بولیاں بولی جاتی ہیں اور جب ہم اتحاد کی زبان اور رابطے کی زبان کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں صرف اردو رابطے کی زبان دکھتی ہے اور پھر۔۔۔۔۔جب ہم اس سے باہر نکل کر مشاہدہ کرتے ہیں تو تقریبا ہر علاقے میں جہاں اردو سمجھی جاتی ہے پنجابی بھی سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ اسکا باعث یہی ہے کہ پنجابی اور اردو دونوں زبانیں آپس میں اتنی قریب ہیں کہ اردو کو سمجھنے والا شخص تھوڑی سی کوشش سے پنجابی سمجھ لیتا ہے۔تلفظ کا جوتھوڑا بہت فرق یا اختلاف ہے وہ بھی چند ثانیے کی سوچ کے بعد سمجھ میں آ جاتا ہے۔مثلا جب ہم پنجابی زبان میں کہتے ہیں:

تیرا ناں کیہ اے؟ اوہ چلا گیا ہے۔ ایہہ کیہ وے۔ ہتھ کھول دیو۔ وغیرہ وغیرہ تو عام اردو سمجھنے والا آدمی اندازاً سمجھ لیتا ہے کہ مخاطب نے کیا کہا ہے جس طرح اوپر دیے گئے فقرے بالترتیب اردو میں یوں بولے جائیں گے۔

تیرا نام کیا ہے؟ وہ چلا گیا ہے۔ یہ کیا ہے۔ ہاتھ کھول دو۔ اسی معمولی سی تبدیلی کے مدنظر ڈاکٹر محمد ظفر خان نے لکھا ہے کہ :

> ''قدیم زبانوں میں جو الٹ پھیر ہوا ہے۔ اس سے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ پنجابی لفظ کا تلفظ اردو میں بدل گیا ہے۔ اردو نے پنجابی کی یہاں تک تقلید کی ہے کہ عربی فارسی الفاظ کا جو تلفظ پنجابی بول چال میں رائج ہوگیا تھا اس کو برسوں اپنائے رکھا۔'' [۴۲]

اس اقتباس کے آخری فقرے یعنی پنجابی کو اردو نے برسوں اپنائے رکھا کے تناظر میں جب ہم قدیم اردو کا مطالعہ کرتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ ہم پنجابی زبان کا کوئی لہجہ پڑھ رہے ہیں۔جس میں چند ایک الفاظ کا ردو بدل کر دیا گیا ہے۔ اور پھر صدیوں پہلے کے وہ الفاظ ہم آج بھی پنجابی زبان میں تو استعمال کر رہے ہیں لیکن اردو زبان میں وہ متروکات میں شامل ہو چکے ہیں۔ وہ الفاظ جب پنجابی میں ہم استعمال کرتے ہیں تو قدیم اردو کی یاد آ جاتی ہے۔ چند ایک محققین نے ایسے الفاظ اپنی تحریروں میں متروک الفاظ کے زمرے میں شامل کئے ہیں جس طرح مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں کچھ ایسے الفاظ کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں سے چند الفاظ جو آج بھی ہم پنجابی زبان میں اسی طرح استعمال کر رہے ہیں لیکن میں انہیں متروک کے کھاتے میں ڈال دیا گیا اور ان کی جگہ نئے الفاظ وہاں آ گئے۔ مثال کے طور پر :

''جگ بمعنی جہان		دنیانت	بمعنی ہمیشہ
سہی	صحیح	انجھو	آنسو
بھواں	بھنویں	پلکاں	پلکیں۔'' [۴۳]

اسی طرح جب ہم قدیم اردو کی شاعری پڑھتے ہیں تو ایسے الفاظ کی قطاریں نظر آتی ہیں جو پنجابی سے اردو کے استعمال میں آئے اور پھر انہیں کسی وجہ سے اردو زبان میں سے نکالا جانے لگا۔ ہمارے ہاں اردو کا سب سے قدیمی شعری اثاثہ بابا فرید شکر گنج کی ایک غزل' حضرت امیر خسرو کا کچھ کلام اور چند ایک دیگر شعراء کی نگارشات کے علاوہ دکن کا ادب ہے۔ دکن میں بہمنی دور' نظام شاہی حکومت' برید شاہی' عادل شاہی اور قطب شاہی دور قدماء میں شامل ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ دکن میں اردو جب پہنچی تو اس سے کہیں پہلے پنجابی زبان مستحکم ہو چکی تھی۔ کیونکہ بہمنی دور میں پہلا شاعر فیروز شاہ بہمنی (م۔۱۴۲۲ء) تصور کیا جاتا ہے۔ جب کہ اس سے بہت پہلے حضرت بابا فرید شکر گنج (۱۱۷۳ء۔ ۱۲۶۵ء) کا کلام بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ ان سے پہلے مسعود سعد سلمان (۱۰۴۶ء۔ ۱۱۲۱ء) کا نام لیا جاتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے حاجی رتن کا نام بھی کہیں نہ کہیں حوالوں میں ملتا ہے۔ لیکن مؤخر الذکر دونوں کا کلام موجود نہیں جس باعث بابا فرید کو ہم پنجابی کا پہلا شاعر گردانتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''دکنی ادب کا انتخاب'' میں سے چند شعری حوالے ملاحظہ فرمایئے۔

تجھ مکھ چندا جوت دسے سارا جیوں	تجھ کان پر موتی جھمکے تارا جیوں	فیروز شاہ بہمنی	
سورج کی تاب ہسنے جوں پگلتا برف آپس میں	اور رخ دیکھت نظر آنکھیاں کی نکھیاں میں گلی ہے آ	مشتاق	
ناہیں تو اب پانی باج	گاڑھی مشکل ہووے آج	اشرف	
کرنی کی جھاڑو بندارین کی کالک چرا	فرش ملمع بچھا خسرو رومی بہ فن	لطفی	
اگن پانی تے بجتی ہے ولے یو سوز بجسی نا	اگر دریائے قلزم میں سدا اٹھ کوئی نہاوے مجھ	حسن شوقی	
یاقوت ہور مرجان کی شاہی لکھیا ساری غزل	سن کر جگت کے شاعروں اس شعر کوں افسر کہو	علی عادل شاہ ثانی شاہی	
بولیا کہ رہنے منگے ترے سے پھول کن ہلال	بولی کہ باولی میں ہے گی تجھ سے نال بول	نصرتی	
عجب کل رات دھن سوں میں نوا اک معجزہ دیکھا	کہ سارے چاند دونزل سو یک چولی بھیتر نکلے	احمد گجراتی'' ۴۴	

ان چند اشعار میں مکھ' دسے' انکھیاں' کالک' باج (باہجھ) بجسی (بجھسی) ہور' نال' بولیا' نوا (نواں) وہ الفاظ ہیں جو اگرچہ اردو میں کم کم استعمال ہوتے ہیں لیکن پنجابی میں آج بھی اسی طرح یا تلفظ کی ادائیگی کی معمولی سی تبدیلی کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔ یوں جب ہم پورے دکنی ادب کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو سینکڑوں الفاظ جو کہ پنجابی میں آج بھی مستعمل ہیں وہاں ہمیں دکھائی دیتے ہیں۔ اس دور سے آگے بڑھ کر غزل کے باوا آدم ولی کی جب بات کریں تو وہاں بھی لغت اردو اور پنجابی زبانوں کے روابط میں ہماری بہت مدد کرتی ہے۔ ولی (م۔ ۱۷۰۹) کے چند اشعار اس ضمن میں ملاحظہ کریں۔

اے ولی مجھ سخن کو وہ بوجھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جس کو حق نے دیا ہے فکر رسا

اے جانِ ولی وعدۂ دیدار کوں اپنے۔۔۔۔۔ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے توں

دریا پہ جا کے موجِ رواں پہ نظر نہ کر۔۔۔انجھواں کی میرے آ کے روانی کو دیکھ توں

عالم کا جوش کیونکہ رہے گا عجب ہوں میں۔۔چوتا ہے اس کی نیند سوں رنگ شراب آج

غیر ترے خیال کے اے شوخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دل میں میرے دوجا اتر تا نئیں

جو کھول لٹ کوں چلا لٹک کر جھمک چمک کر جو مکھ دکھایا

سولٹ کو دیکھے ولی اٹک کر سجن نین اسکوں ہٹک لیا ہے

ولی کے کچھ عرصہ بعد خواجہ میر درد کی اردو شاعری کا ڈنکا بجتا ہے۔ وہ اس میدان میں صوفی شاعر کے طور پر پہنچانے گئے۔ ولی کے بعد اگرچہ اردو زبان میں تبدیلی آ رہی تھی جو بات دکنی ادب میں تھی اس مشکل سے کسی حد تک ولی نے نکالا اور ولی کے بعد آنے والوں نے اسے اور بہتر بنانے کی تگ و دو کی۔۔اب زبان صاف بھی ہو رہی تھی، نکھر بھی رہی تھی اور اپنا رنگ بھی جما رہی تھی لیکن اس کے باوجود ایسے الفاظ موجود تھے جو ہمیں درد کی شاعری میں اردو اور پنجابی کے باہمی تعلق کو استوار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس زمانے میں یہ الفاظ اردو زبان کا حصہ تھے لیکن آج َخالصتاً پنجابی صف میں کھڑے ہیں۔ حالانکہ یہ الفاظ شروع میں پنجابی سے ہی اردو میں گئے تھے چند اشعار اس دعوے کی سچائی کے لیے حاضر ہیں۔

نہ اٹھو درد! اپنے بستر سے طمع کر ہرگز۔۔۔جو کچھ یوں عیب سے آوے سو تم البتہ لو بیٹھے

دھونڈ ھتے ہیں آپ سے اس کو پرے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

منع صہبا نہ کر مجھے اے شیخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مے پرستوں کے حق میں دارو ہے

کس کا کون کیا کسو سے کہنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنا اپنا ہر ایک کا مہنا

اے درد بہت کیا پر یکھا ہم نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دیکھا یہ عجب یاں کا ہے لیکھا ہم نے [۴۵]

میر تقی میر (۱۷۲۲ء۔۱۸۱۰ء) ’خواجہ میر درد سے ایک سال چھوٹے تھے۔ یوں یہ دونوں ہم عصر ہونے کے ناطے زبان کے معاملے میں بھی ان میں یکسانیت تھی۔ میر تقی میر آہ کے شاعر تھے اور خواجہ میر درد تصوف کے۔ یہاں آ کر دونوں میں علیحدہ سوچ پنپتی تھی اور دونوں کا اپنا اپنا اسلوب تھا۔ اردو جو کہ ارتقائی منازل طے کر رہی تھی۔ردو قبول کے عمل سے گزرنے کے باوجود پنجابی سے اپنا رشتہ بحال رکھے ہوئے تھی۔ لوگوں میں ابھی تک وہ تنقیدی شعور پیدا نہیں ہوا تھا جس نے پھوٹ ڈالنے میں ایک کردار ادا کیا۔ وہ الفاظ جو دونوں زبانوں میں آج بھی ایک ہی ہیں ان سے قطع نظر صرف چند اشعار مثال کے طور پر دیئے جا رہے ہیں جن میں پنجابی کے وہ الفاظ جو اردو زبان میں اب کم استعمال ہو رہے ہیں یا خارج ہو چکے ہیں نشان زد کئے گئے ہیں۔

جادو کی پڑی پرچہ ابیات تھا اس کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔منہ تکیے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا

دیر میں کعبہ گیا میں خانقہ سے اب کی بار۔۔۔۔۔راہ سے مے خانے کی اس راہ میں کچھ پھیر تھا

مینہ یک بارگی جو ٹوٹ پڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا

ٹھیکری کو قدر ہے اس کو نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ٹوٹے جب کاسہ سرِ فغفور کا

گزرے ہے لہو واں سر ہر خار سے اب تک۔۔۔جس دشت میں پھوٹا ہے میرے پانو کا چھالا [۴۶]

ان نشان زدہ الفاظ کو دیکھیں تو میر تقی میر کے کلام میں استعمال کئے گئے پنجابی الفاظ کی موجودگی کا یقین ہو جائے گا۔

اردو زبان کو چونکہ حکومتوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ فارسی زبان کے بعد اردو زبان کو درباری زبان ہونے کا اعزاز بھی ملا۔ یہ مقام اسے مغلیہ دور میں ہی حاصل ہو گیا تھا۔ سو اس نے ترقی کرنا شروع کی۔ ادھر ادھر سے دوسری زبانوں کے اثرات بڑھنے لگے جس کے نتیجے میں علاقائی زبانوں کے اثرات اس پر سے کم ہونے لگے۔ یوں پنجابی کے لفظوں کی جگہ بھی نئے الفاظ نے لینے کی کوشش کی۔ بلکہ یہ ایک فطری عمل ہے۔ اگر زبانیں ردو قبول کے عمل سے نہیں گزریں گی تو جلد ہی ختم ہو جائیں گی۔ لیکن اس قبولیت کے عمل میں کچھ امور کا ہونا ضروری ہے۔ اس بارے ڈاکٹر مقصود حسنی چند امور کا ذکر کرتے ہیں جو ایسے حالات میں جب زبانیں ایک دوسرے سے کچھ لے اور کچھ دے کے اصول پر قربت حاصل کر رہی ہوتی ہیں۔ وہ امور مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ آوازوں کی گنتی اور ان کا لسانی نظام

۲۔ زبانوں کی لچک پذیری

۳۔ مترادف اور متبادل آوازوں کی فراہمی اور موجودگی

۴۔ بولنے والے کے مزاج، رجحانات، عمومی اور خصوصی رویے

۵۔ بولنے والوں کی میل ملاقات کی صورتیں اور ضرورتیں

۶۔ مجموعی اور شخصی انداز و اطوار

۷۔ حالات، قدرتی ماحول اور معاشرت

۸۔ ضرورتیں اور ان ضرورتوں کی نوعیت اور اہمیت

۹۔ زبانوں کی ان سے مخصوص انا

۱۰۔ آلاتِ نطق اور معاون آلاتِ نطق

۱۱۔ مترادفات، متبادلات اور مرکب آوازوں کا نظام"۔ [۴۷]

یہ نکات یا امور کسی ایک زبان کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ہر زبان جو ان پر پوری اترتی ہے اس کے لیے یہ امور ہیں۔ اور انہی کے پیش نظر ہم اردو اور پنجابی کے مشترکہ ایک دوسرے پر اثرات اور باہمی ربط کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اردو زبان گرچہ کسی علاقے کی زبان نہیں تھی۔ لیکن وجود میں آنے کے بعد اس نے ان تمام امور کو قبول کیا اور

یہاں کے علاقائی عوامل کو خود پر لاگو کیا۔ سو پنجابی اور اردو دونوں زبانیں نہایت قریب رہیں اور بدلتے ہوئے حالات میں بھی خود کو بدلتے ہوئے آج بھی قریب ہیں۔

برصغیر کو جب تقسیم کیا گیا تو اردو کو چونکہ پاکستان کی قومی زبان کا درجہ دیا گیا۔ اگرچہ یہ ملک کے دونوں حصوں کے لیے تھا لیکن بنگالیوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو مغربی پاکستان کی زبان اردو اور مشرقی پاکستان کی بنگالی قرار دے دی گئیں۔ مغربی پاکستان کا آبادی کے لحاظ سے بڑا صوبہ پنجاب تھا بلکہ ون یونٹ بن جانے کے بعد پنجاب کو ہی مغربی پاکستان سمجھا جانے لگا۔ اردو زبان پنجابی کے زیادہ قریب تھی۔ لہٰذا پنجاب نے اسے اپنے سے الگ نہ ہونے دیا اور چھاتی سے لگائے رکھا۔ اس ضمن میں مولانا اختر علی نے ماہنامہ ''پنجابی'' لاہور کے شمارہ اگست ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون بعنوان ''اردو دی ماں۔۔۔۔۔پنجابی'' لکھا تھا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔

> ''ملکی بن بنا دے ایس نویں دور وچ جد زباناں دی بناوٹ دا عام رولا گولا پیا ہویا اے تے اردو وچاری بے گھری ہوئی گئی اے۔ میں سمجھناں کہ اوہنوں اوسے صورت وچ ای زندہ رکھیا جا سگدا اے کہ اوہدا وی کوئی ٹھکانہ ہووے تے ایہہ جگہ جے ہو سگدی اے تے اوہ پنجاب دیس ای اے۔ کیوں جے اردو دا پہلا گھر ایہہ ہے۔ جتھوں اوہ نکلی تے بنی۔
>
> ۔۔۔ میں سمجھناں کہ قدرت نے پچھلے ویہہ پنجھی سال توں ایس واسطے ای خبرے ایہ انتظام شروع کر دتا سی کہ کل نوں پنجاب ای اردو دا نواں گھر بنے گا۔ میرا یقین اے کہ پچھلے سالاں وچ جنی اردو دی خدمت پنجاب نے کیتی اے سارے ہندوستان وچ ہور کسے صوبے نے نہیں کیتی''۔ [۴۸]

چونکہ پنجابی اور اردو کا تعلق ہی ایسا تھا کہ یہ ایک دوسرے کو چھوڑ نہیں سکتی تھیں۔ اگرچہ انہیں الگ الگ کرنے کی بہت کوشش کی گئی۔ برِصغیر میں اس کے خلاف مہم چلائی گئی۔ اردو میں بے تحاشا دوسری زبانوں کے الفاظ بھر دیے گئے۔ جنہیں اردو نے اپنے اندر جذب کر لیا۔ دانشوروں نے اس کے خلاف بہت ہرزہ سرائی کی۔ ماہرینِ لسانیات نے اس رشتے کو ختم کرنے کے لیے کئی جتن کئے لیکن یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ اس میں اردو نے اپنی فطری صلاحیت کے مطابق اور پنجابی نے اس رشتے کو گوڑھا رکھنے کے لیے اپنے بڑے پن کے باعث ایک دوسرے کے الفاظ کو تبدیلیوں کے ساتھ قبول کیا۔ اور جیسا کہ میں نے چند صفحات قبل تحریر کیا ہے کہ ابو اللیث صدیقی کی مرتبہ لغت ''بنیادی اردو'' میں تقریباً ۸۰ فیصد الفاظ پنجابی کے ہیں۔ یہ تخمینہ لغت کے پہلے ۱۰۰۰ الفاظ کو گن کر لگایا گیا ہے۔ چند الفاظ یہاں نمونے کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ حروف تہجی کی نسبت سے پانچ حروف کے پانچ پانچ الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ پانچ حروف کے پہلے پانچ الفاظ ہیں۔

اردو	پنجابی	اردو	پنجابی
آ	آ	آپ	آپ، تسیں
آپس	آپس	آٹا	آٹا
آج	اج	پا	پا، لبھ

پاجامہ پجامہ جا جا جاری جاری' چالو
سازش متا''۔ ۴۹

اوپر دیے گئے مختلف حروف سے بننے والے پہلے پانچ پانچ الفاظ کے حساب سے پچیس الفاظ کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو اور پنجابی زبانوں میں آپس کا تعلق کتنا گہرا اور گوڑھا ہے۔ اردو سے پنجابی میں یہ ترجمہ فیروز تارڑ نے کیا ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ پنجابی کا لہجہ ہر بارہ کوس/اٹھارہ میل یا تقریبا ۲۹ کلومیٹر کے بعد تبدیل ہو جاتا ہے۔ یوں جو لہجے یا بولی جسے انگریزی میں Dialects کہتے ہیں' انگریزوں نے دراصل پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مشرقی حصے کی زبان کو انہوں نے پنجابی اور مغربی حصے کی زبان کو لہندی کا نام دے دیا۔

پنجابی زبان کے پہلے باقاعدہ شاعر جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہیں اور اردو کے محققین بھی جب اردو کی ابتداء کی تلاش کے سفر پر نکلتے ہیں تو پنجابی کے شعراء کو ہی اردو کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ یوں کچھ محققین کا خیال ہے کہ پنجابی اور اردو دونوں بہنیں ہیں یعنی ایک ہی ماں کی اولاد جو ایک ہی عہد میں پیدا ہوئیں۔ یہ خیر! اپنا اپنا خیال ہے۔ اسی نسبت کی بنا پر ان کا کہنا ہے کہ جو اصول ایک زبان پر لاگو ہوتے ہیں وہی دوسری زبان پر بھی لاگو ہیں۔ ان میں سب سے پہلی سیڑھی حروف تہجی کی ہے۔ اردو اور پنجابی کے حروف تہجی ایک ہیں۔ پروفیسر میرزا مقبول بیگ بدخشانی پنجابی حروف تہجی اور ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

'' ا۔ ب۔ پ۔ ت۔ ٹ۔ ث۔ ج۔ چ۔ ح۔ خ۔ د۔ ڈ۔ ذ۔ ر۔ ڑ۔ ز۔ ژ۔ س۔ ش۔
ص۔ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق۔ ک۔ گ۔ ل۔ م۔ ن۔ و۔ ہ۔ ء۔ ی۔ ے۔ بھ۔ پھ۔
تھ۔ ٹھ۔ جھ۔ چھ۔ دھ۔ ڈھ۔ رھ۔ ڑھ۔ کھ۔ گھ۔ لھ۔ مھ۔ نھ۔

گنتی وچ ایہہ حرف بونجا(۵۲) نیں۔ ایہناں وچ ہمزہ)(ء) وی شامل سمجھیا جاندا اے۔ پر ہمزہ حروف تہجی وچ شامل کرنا ٹھیک نہیں۔ ہمزہ کوئی اڈ حرف نہیں۔ ایہہ صرف 'ا'۔'ی' تے 'و' دے نال آوَندا اے۔'ا نال آوے تے دی اواز کجھ کھچ کے پڑھی جاندی اے۔'ی' دی اواز کھچ کے کڈھنی پوے تے ایہہ اواز دو'ی' دی اواز وانگوں نکلدی اے۔ ایس لئی 'ی' دے اتے ہمزہ دے دیندے نیں۔ جتھے واوَ دی اواز اوہدی عام اواز نالوں ودھ کے کڈھنی ہووے تے 'و' اتے ہمزہ (ء) دیندے نیں''۔ ۵۰

پنجابی کے جو حروف تہجی اوپر دیے گئے ہیں۔ اردو کے حروف تہجی بھی یہی ہیں۔ اور دونوں کا رسم الخط بھی ایک ہے۔ جس کے باعث پڑھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ ہمزہ بھی بعینہ ایسے ہی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن ایک لفظ جو اردو سے تھوڑا مختلف پنجابی میں لگتا ہے وہ ہے 'ن'۔ 'ن' کے لفظ کی ادائیگی اس کے استعمال کے لحاظ سے اور قدرآ فاقی اس کی مختصراً جو وضاحت کرتے ہیں وہ ہے:

''ن' جے لفظ دے شروع وچ آوے تاں ہمیشہ اردو والے تلفظ دا حامل ہندائے پر لفظاں دے وچکاریاں

اخیر وچ آوے تاں ہک خاص تلفظ دا حامل ہوندا اے۔ جیوں

کانا۔ کانڑا۔ کنک۔ کنڑک۔ کان۔ کانڑ۔

۔۔۔جس مصدر دے نا توں پہلے 'ر' یا 'ڑھ' یا 'ل' ہوے اوہدے 'ن' دا تلفظ اردو والے 'ن' وانگ ہوندا اے تے باقی مصدراں دا نون خاص تلفظ دا حامل ضرور اے پر کوئی لکھتی یا معنوی فرق نہیں۔

اردو تے پنجابی دے اکو جیہے مصادر دی گنتی کرنا سوکھا کم نہیں۔'' ۵۱

چند مصادر یہاں مثال کے طور تحریر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ جب 'نا' سے پہلے 'ڑ' ہو۔ چرنا' پھرنا' کرنا' ٹھہرنا

۲۔ جب 'نا' سے پہلے 'ڑ' ہو۔ اڑنا' سڑنا' لڑنا

۳۔ جب 'نا' سے پہلے 'ڑھ' ہو۔ پڑھنا' اوڑھنا' بڑھنا

۴۔ 'ل' جب 'نا' سے پہلے ہو تو سلنا' بھلنا' پھرولنا وغیرہ

ان حروف کے علاوہ استعمال ہونے والے مصادر کی مثال بھی دیکھ لیجئے۔

بہنا (بہنڑا)۔ پچھاننا (پچھانڑنا)۔ ٹھکراونا (ٹھکراونڑا)۔

حروف تہجی کے بعد دوسری سیڑھی گنتی ہے۔ ایک سے لے کر سو تک جب گنتی کریں تو بہت کم ہندسوں کے بولنے میں تھوڑا بہت فرق محسوس ہوتا ہے۔ مثلا

اردو	پنجابی	اردو	پنجابی
ایک	اک	دو	دو
تین	تن' ترے		
چار	چار	پانچ	پنج
چھ	چھے		
سات	ست	آٹھ	اٹھ
نو	نوں		

دس دس' دہ گیارہ سے اٹھارہ تک یاراں اور پھر ''ہ''

کی بجائے ''اں'' کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلا بارہ سے باراں۔ اسی طرح واجبی سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ محمد ظفر خان اس اختلاف کو اپنے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

'' اس میں کوئی شک نہیں کہ اعداد کے سلسلے میں پنجابی میں 'س' کو ادا نہ کرنے کا رجحان ملتا ہے۔ جیسا کہ 'اکاٹھ' وغیرہ اعداد سے ظاہر ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی بجا ہو گا کہ پنجابی کا 'سٹھ' اردو میں 'ساٹھ' ہوا ہے کیونکہ عام طور پر اردو میں پنجابی کے مشدد الفاظ کے پہلے حرف کی حرکت کا اشباع کہلاتا ہے مثلا ہک' اک (ایک) ست (سات) اور سٹھ (ساٹھ) وغیرہ۔

اعداد میں پنجابی نے جہاں 'س' کو حذف کر دیا ہے۔ اردو نے ایسا نہیں کیا اور پنجابی کا کامل عدد کیا ہے۔ مثلا اکسٹھ (اک+سٹھ) پنجابی میں کہتے ہیں باٹھ۔ تریٹھ۔ چونٹھ اردو میں یہی تعداد باسٹھ، تریسٹھ اور چونسٹھ ،میں گویا پنجابی کے 'سٹھ' کو تمام اعداد کے ساتھ قائم رکھا۔ تریسٹھ میں ترے (تین) پنجابی ہے۔ اردو نے پنجابی کے تمام اعداد کے آخر کی 'ہ' کو 'س' میں بدل دیا ہے۔ انیہہ سے اڑتالیہہ تک کے اعداد بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ستر سے سو تک کی گنتی میں دوجگہ معمولی سا فرق ہے۔ یہاں البتہ مرکب اعداد میں ستر کا 'س' 'ہ' سے بدل جاتا ہے۔ جیسے اکہتر۔ اردو میں بھی یہ اعداد پنجابی کی طرح بولے جاتے ہیں۔ باقی اعداد بھی اردو میں وہی ہیں جو پنجابی میں ہیں''[۵۲]

گنتی یا اعداد کے بعد گرائمر یا صرف ونحو کی جب بات کرتے ہیں تو اس ضمن میں بھی اردو اور پنجابی ہمیں بالکل ساتھ ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔ ایک لفظ پنجاب میں عام طور پر جیسے بولا جاتا ہے ویسے ہی لکھ دیا جاتا ہے جبکہ اردو میں ایسا نہیں۔ اردو پر چونکہ دوسری زبانوں کے اثرات بھی ہیں اس لیے تھوڑی سی تبدیلی ان اثرات کے باعث آ گئی جیسے 'نفا'' وغیرہ۔ اسی طرح کے معمولی اختلاف صرف ونحو میں بھی سامنے آتے ہیں۔ عین الحق فرید کوٹی اس سلسلے میں اردو اور پنجابی کی قربت کے حوالے لکھتے ہیں۔

''جب ہم اردو زبان کے لغوی سرمائے اور صرف ونحو کا موازنہ برصغیر کی موجودہ زبانوں سے کرتے ہیں تو جو زبان اس کے سب سے زیادہ نزدیک نظر آتی ہے وہ پنجابی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ صرف و نحو کے لحاظ سے پنجابی کے علاوہ کوئی دوسری زبان اردو سے گہری مطابقت نہیں رکھتی''۔[۵۳]

اردو اور پنجابی کے لسانی روابط میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ کیونکہ ان دونوں زبانوں کا تمام سرمایہ الفاظ اور صرفی ونحوی قواعد ایک سے ہیں۔ اور جب اس حد تک دو زبانوں میں مماثلت ہو تو ان کے تعلق کے بارے نکات ڈھونڈنا مشکل نہیں رہتا البتہ اختلافی پہلوؤں پر بات کرنا اور انہیں ڈھونڈ کر سامنے لانا قدرے مشکل ہوتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ افضل توصیف، پنجاب تے پنجاب دا کردار، مشمولہ: عالمی پنجابی کانفرنس ۸۶ء ترتیب: اقبال قیصر، جمیل احمد پال، لہور، کلاسیک ۱۹۸۸ء، ص ۲۵۶

۲۔ ایضاً، ص: ۲۵۷

۳۔ آصف خان، محمد، ہور نك سك، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ ۲۰۰۰، ص ۲۰

۴۔ اکرام علی ملک، تاریخ پنجاب، جلد اول، لاہور، سلمان مطبوعات، فیصل ٹاؤن، ۱۹۹۰ء ص ۱

۵۔ ایضاً

۶۔ آصف خان، ایضاً ص ۳۳

۷۔ ایضاً، ص ۳۸

۸۔ ایضاً ص ۳۹

۹۔ رما شنکر تر پاٹھی ، تاریخ قدیم ہندوستان ، ترجمہ سید سخی حسن نقوی ،کراچی ، سٹی بک پوائنٹ ۲۰۰۳ء ص ۳۵

۱۰۔ اسعد گیلانی ، سید ، پنجاب کی آواز ، لاہور ، یونیورسل بکس اردو بازار ، ۱۹۸۷ء ، ص ۱۲

۱۱۔ پنڈی داس ، لالہ ، پنجاب میں پہلا مارشل لاء ، لاہور ، فکشن ہاؤس ، ۱۹۹۶ء ص ۱۶

۱۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، لاہور ، دانش گاہ پنجاب ، جلد پنجم ، ۱۹۷۱ء ص ۶۵۰

۱۳۔ اکرام علی ملک ، ایضاً ، ص ۴

۱۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ، ایضاً ، ص ۶۵۰

15 Macl,E,hd *Punjab Enceyclo Paedia Britannica* vol 18.Encyclopaedia Britannica Ltd Chichago london pp772

۱۶۔ ضیغم ، سید سبط الحسن ، پنجاب ، پنجابیت اور پنجابی زبان ، شمولہ ، سہ ماہی آواز لاہور اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹ء ، ص ۲۵ بحوالہ History of Indigenous

۱۷۔ پنڈی داس لالہ ، ایضاً ص ۱۳

۱۸۔ ظفر خان ، ڈاکٹر محمد ، پراکرت ، مشمولہ ، ماہنامہ صریر کراچی ، مئی ۲۰۰۴ء ص : ۹۔۱۰

۱۹۔ کول ، کشن پرشاد ، ادبی اور قومی تذکرے ، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ ، ۱۹۵۱ء ص ۴۔۵

۲۰۔ شاہد ، ایس ایم ، پاکستانی زبانیں اور ادب ، لاہور ، ایور نیو بک پیلس اردو بازار ، س ن ، ص ۲۱۲

۲۱۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی ، پنجاب زبان و ادب کراچی ، انجمن ترقی اردو پاکستان ، ۱۹۸۸ء ، ص ۷

۲۲۔ یوسف بخاری ، ڈاکٹر محمد ، ''کشمیری پنجابی لسانی اشتراک'' ، چند نکات ، مشمولہ چھی ماہی کھوج لاہور ، جولائی ، تا دسمبر ۱۹۹۵ء ، ص ۱۳۱

۲۳۔ عین الحق فرید کوٹی ، اردو زبان کی قدیم تاریخ ، لاہور ، ارسلان پبلی کیشنز ، ۱۹۸۲ء ص ۹۴

۲۴۔ سلیم اختر ، ڈاکٹر ، اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ ، ایضاً ، ص ۶۱

۲۵۔ وزیر آغا ، ڈاکٹر ، اردو شاعری کا مزاج ، لاہور ، مکتبہ عالیہ ، ۱۹۶۵ء ، ص ۷۰

۲۶۔ سلیمان ندوی ، سید ، '' اردو کیونکر پیدا ہوئی '' ؟ مشمولہ پاکستان میں اردو ، پہلی جلد ، سندھ ، ایضاً ، ص ۷

۲۷۔ حسام الدین راشدی ، سید ، '' اردو زبان کا اصل مولد سندھ '' ، مشمولہ ، پاکستان میں اردو ، پہلی جلد ، یضاً ص ۹

۲۸۔ فارغ بخاری ، ''سرحد میں اردو'' ، مشمولہ ، پاکستان میں اردو ، تیسری جلد ، اباسین ، ایضاً ص ۱

۲۹۔ شمس الرحمٰن فاروقی ، اردو کا ابتدائی زمانہ ، دہلی ، مکتبہ جامعہ نگر ، پہلا ہندوستانی ایڈیشن ، ۲۰۰۱ ، ص ۲۲

۳۰۔ نثار صفدر بلوٹی ، قومی زبان اور دور حاضر ، لاہور : ارباب ادب پبلیکیشنز ، س ن ، ص ۳۰

۳۱۔ عطش درانی ، پنجاب میں اردو اور دفتری زبان ، لاہور ، نذیر سنز پبلشرز ، اردو بازار ، ۱۹۸۹ ، ص ۳۵

۳۲۔ اکرام چغتائی ، محمد ، پنجاب میں اردو ، (مزید تحقیق) مشمولہ ، پاکستان میں اردو ، چوتھی جلد پنجاب ، ایضاً ص ۹۴ ، ۹۵

۳۳۔ ایضاً ، ص ۹۶

۳۴۔ ایضاً ، ص ۹۵

۳۵۔ سرخوش، شیر علی، ''پنجاب میں اردو، اولین نظریہ''، مشمولہ، پاکستان میں اردو، چوتھی جلد، پنجاب، ایضاً،ص ۶۵

۳۶۔ کیفی چڑیا کوٹی، مولوی محمد مبین، جواہر سخن، الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ ۱۹۳۳ء،ص ۱

۳۷۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، اردو ادب، مشمولہ، پاکستانی ادب، مرتبہ، عبدالشکور احسن، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، ۱۹۸۱ء،ص ۹

۳۸۔ مظفر حسن ملک، ڈاکٹر، ''اردو زبان کا تدریجی ارتقاء''، مشمولہ: ماہنامہ، اخبار اردو اسلام آباد، مئی ۱۹۹۱ء،ص ۱۲

۳۹۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، ''پنجاب کی مادری زبان اردو ہے''، مشمولہ: پاکستان میں اردو، چوتھی جلد، پنجاب، ص ۳۴

۴۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۳ء، ص ۶۴

۴۱۔ اندر کمار گجرال، ''اردو رابطے کی زبان''، مشمولہ: ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد، فروری ۲۰۰۷ء، ص ۲۴

۴۲۔ ظفر خان، ڈاکٹر، محمد، ''پنجابی اور اردو کے لسانی روابط''، قسط اول، مشمولہ، سہ ماہی صحیفہ لاہور، جنوری/ مارچ ۱۹۸۶ء ص ۶۴

۴۳۔ آزاد، مولانا محمد حسین، آب حیات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، اردو بازار، س ن، ص ۷۷

۴۴۔ جعفر، سیدہ، دکنی ادب کا انتخاب، نئی دہلی، ساہتیہ اکادمی، ۱۹۶۶ء

۴۵۔ درد، خواجہ میر، دیوان خواجہ میر درد، مرتبہ: عبدالباری آسی، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، س ن ۴۶

۴۶۔ مقصود حسنی، ڈاکٹر، ''انگریزی کے اردو زبان پر لسانی اثرات''، مشمولہ، سہ ماہی انشاء حیدرآباد، اپریل تا جون ۲۰۰۹ء،ص ۱۴۷، ۱۴۸

۴۷۔ اختر علی، مولانا، ''اردو دی ماں''۔ پنجابی، مشمولہ، ماہنامہ، پنجابی انٹرنیشنل، لاہور، اپریل ۲۰۰۶ء،ص ۱۰

۴۸۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، بنیادی اردو، ایضاً ص ۱۳، ص ۲۵، ص ۳۶، ص ۴۷، ص ۵۳

۵۰۔ یوسف بخاری، ڈاکٹر، کشمیری زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان ۱۹۸۹ء

۵۱۔ قدر آفاقی، ''پنجابی پڑھن دا مسئلہ''، مشمولہ، ماہنامہ، لہراں، لاہور، مارچ ۱۹۸۹ء،ص ۱۳

۵۲۔ ظفر خان، ڈاکٹر محمد، ''پنجابی اور اردو کے لسانی روابط''، ایضاً ص ۶۹

۵۳۔ حمید الفت ملغانی، پاکستانی زبانوں کا ادب، ملتان، بیکن بکس گلگشت کالونی، ۲۰۰۷ء، ص ۴۴ بحوالہ اردو زبان کی قدیم تاریخ، از عین الحق فرید کوٹی